

المیہ بیروت

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

بیروت میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کارروائیوں فلسطینی پناہ گزینوں اور مجاہدین آزادی کے جبریہ اختلاہ اور آخر میں لبنان کے مارونی عیسائیوں اور فلائجسٹ کے ہاتھوں باقی ماندہ فلسطینیوں کا بے رحمانہ قتل عام، ایسا واقعہ ہے جو موجودہ دور اور متمدن دنیا میں عرصہ سے پیش نہیں آیا۔ اور جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔

اس سے ایک طرف روز و روشن کی طرح یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ موجودہ انسانی نسل میں اور اچھے متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں بھی، اب بھی وہ خون انسانی بلکہ خوشخواری پائی جاتی ہے جو ہزاروں برس پہلے دور جاہلیت کی خصوصیت اور بعض آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کے متعلق باور کر دیا گیا تھا کہ علم و تہذیب باہمی تعارف اور اتحاد کی ضرورتوں نے اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ بیروت کے مارونی عیسائیوں کی تنظیم حزب الکناٹب یا فلائجسٹ کے جس کے لیڈر مقتول بشیر الجمیل تھے، کے ہاتھوں فلسطینیوں کے وحشیانہ قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت اور تعصب بھی خاص طور پر عیسائی دنیا یا کم از کم اس خطہ میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینے میں موجزن تھا۔ جنہوں نے شاہ رجسٹر وغیرہ کی قیادت میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور شہر قدس (یروشلم) میں مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ حملہ آوروں کے گھوڑے انسانیکلو پیڈیا پر ٹانیاں کا کے عیسائی مقالہ نگار کے مطابق — گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و عیاں ہو گئی کہ کسی طاقت و عزم کے سامنے جواپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح و منظم اور صاحب عزم طاقت نہ ہو محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف و معقولیت پسند جماعتوں بلکہ حکومتوں

کی ملامت و مذمت، اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز پر کادہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں اور ابھی تک اس متعذر دنیا میں جنگ کا قانون اور MIGHT IS RIGHT کا اصول چل رہا ہے۔ آئندہ اس عالمی ضمیر WORLD CONSCIENCE یا اقوام متحدہ UNITED NATIONS یا اپنے بہادروں، معقولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلی، فریب نفس بلکہ خودکشی سے کسی درجہ کم نہیں۔ اس کی بے اثری اور بے وزنی جیسی اس المیہ کے موقع پر ظاہر ہو کر رہی۔ ویسی غرضہ دار سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (امریکہ و روس) پر بھروسہ کر کے کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بد نصیبی ہے۔ جس کا اب قطعاً کوئی کوئی حوالہ نہیں رہا۔ نہ روس نے ان ملکوں کا ساتھ دیا (جیسے شام) جو اس کے کیمپ میں تھے۔ نہ امریکہ نے ان ملکوں کا ساتھ دیا جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے تھے اور انہوں نے اس کو اپنے مفادات کا محافظ اور اپنے وجود و بقا کا ضامن سمجھا تھا بلکہ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اسرائیل اس کا سدھایا ہو گیا (کلب معلّم) ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ حکم سے شکار پر دوڑتا ہے۔ اور اس کو مار کر اس کے قدموں پر ڈال دیتا ہے۔ جدید معلومات و بیانات نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے امریکہ کے علم میں تھا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس سب سے بڑے متعذر و ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں جو جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اسرائیل اور مارونیوں کی اس بربریت نے کوئی حرکت اور اثر پیدا نہیں کیا اور وہاں اس کے خلاف اتنے بھی مظاہرے نہیں ہوئے جتنے خود اسرائیل میں ہوئے۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ امریکہ لبنان کو مشرق وسطیٰ اور عربی دنیا میں اسی طرح اپنی چوکی اور ایک ایسی علیحدہ غیر مسلم (عیسائی) ریاست بنانا چاہتا ہے جو اس کے مفادات کی محافظ اور اس کی ایجنٹ ہو۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت برطانیہ نے عالم عربی کے قلب میں اسرائیل کو قائم کیا اور وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فرودستی، بے حمیت اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب ہو گیا۔ جنہوں نے اس کے منشائی تکمیل میں اپنے حق و محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت نہیں کی۔ بلکہ اپنی پسند کو دھوکا دینے کے لئے جنگ کا ایک ڈرامہ کھیلا جس میں ان کو صرف اتنا ہی کردار ادا کرنا تھا جس کی ان کے اولیائے نعمت کی طرف سے اجازت یا مقصد برابری کے لئے ضرورت تھی۔

راقم الحروف کو اپنے ۱۹۵۱ء کے سفر بیت المقدس میں معتبر راویوں اور چشم دید گواہوں کے ذریعہ (جنہوں نے تنہائیوں میں رو کر یہ داستان غم سنائی تھی) ان حقائق کا یقینی علم ہے اور وہ اپنے سفر نامہ اور روزنامے (مشرق وسطیٰ کی ڈائری) میں ان حقائق کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان حقائق کے ساتھ جن کا تعلق بیرونی طاقتوں، حملہ آور تنظیموں اور ان کا ساتھ دینے والوں سے ہے اس حقیقت کا بھی علم و انکشاف اور اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس المیہ اور قیامت خیز واقعہ کے موقع پر جس کے سامنے

تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو دنیا کے ہر حصہ میں اپنی ذلت و ہزیمت کا احساس ہوا۔ عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم مغربی کی جس بے حیبتی و بے حسی کا اظہار ہوا جس سے ان دونوں کو کلیتہً بری نہیں قرار دیا جاسکتا اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطیٰ کی عرب حکومتوں پر ہے۔ مسلم و عرب عوام (جیسا کہ مجھے خاص ذرائع سے معلوم ہے) اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہیں لیکن پچھلے واقعات کے نتیجہ میں اور بڑی طاقتوں کے اشارے و مشورے پر ان کو بالکل بے بس بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں ایسے بڑے طاقت ور اور مسلم عرب ملک ہیں جو تنہا اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ساری طاقت، صلاحیت و ذہانت اپنے ہی قوموں اور باشندگان ملک کے دینی جذبات، اسلامی جمیعت اور اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کی خواہش و مطالبہ کو پکھننے اور ہمیشہ کے لئے ان سے غلامی حاصل کر لینے میں صرف ہو رہی ہے۔ اور اصل میدان جنگ اور معرکہ ان حکومتوں اور قوموں کے درمیان ہے جو ایک طرف اس کی فرصت نہیں دینا کہ وہ مشترک خطرے کی طرف توجہ کر سکیں۔ دوسرے انہوں نے اس طاقت ہی کو کمزور و مجبور کر دیا جو حق و باطل اور انصاف و ظلم کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبہ ایمانی اور سرفروشی و جان سپاری سے وہ نمونہ پیش کرتی جو قرون اولیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں اور جس کا تقویراً سانچہ ۴۴-۴۵ میں انہوں نے عرب و اسرائیل کی جنگ میں فلسطین کے میدان میں دیکھا تھا پھر ان حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی انفرامن کی بنا پر اختلاف و انتشار کی وہ علت ملگئی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی، جذبہ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ان عرب حکومتوں میں اور ان ملکوں میں جنہوں نے قومیت اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں۔ متحدہ کرنے والی طاقتوں کا یکسر فقدان ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک المناک حقیقت ہے کہ جو ممالک نسبتاً ان درآمدہ فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو دولت کی بہنات اور عیش و تنعم گمن کی طرح کھا چکا ہے۔ اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی، جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا ان کو تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکی کمپنیوں اور مال کا مقاطعہ کر کے امریکہ کے طرز عمل سے اپنی ہزار ہا پانا پسندیدگی کا اظہار کریں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویش کی حد تک انحطاط و زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ولا تھنوا فی ابتغاء القوم۔ ان تکونوا
تالمون فانھم یاطونکم اطلون۔ و
تزعجون من اللہ ما لا یجوزون
اور دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر
تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے
ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ اور تم

خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے

(النسار - ۱۰۴۷)

جس طاقت اور جذبہ ایمانی کے مظاہر قرون اولیٰ کے مسلمانوں - درمیانی وقتوں کے جاں بازوں اور تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ترتیب کئے ہوئے ساتھیوں میں نظر آتے۔ افسوس ہے کہ سید صاحب کی تحریک کے بعد ڈیڑھ سو برس سے اس جذبہ ایمانی اور جذبہ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی موثر اور منظم دعوت (کسی قدر مصر کے اخوان کو مستثنیٰ کر کے) سامنے نہیں آئی۔ اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی اس بے بسی، بے حیثیتی اور بے حسّی اور اسرائیل اور مارونی فرقے کی بے باکی اور بے پرواہی کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

آج سے ۱۰۶، ۱۰۷ سال پہلے ۱۹۰۳ء میں راقم سطور نے بیروت کے چند روزہ قیام کے بعد اپنے سفر نامہ (دیرائے کابل سے دریائے یرموک تک) میں ان احساسات اور خطرات کا اظہار کیا تھا جو اب واقعہ بن کر سامنے آ گئے۔ مصنف کو اُسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ فلسطینی مجاہدین اور پناہ گزین بیروت میں ناخواندہ مہمان کی طرح مقیم ہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی اور حکومت نے ان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے اور کئی بار فلسطینیوں اور لبنانی فوج میں جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں پر اس قنباس کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

”۳۰ جولائی ۱۹۰۳ء کو ہم فدائین کے مرکز سے گذرے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے درمیان معرکہ کارزا گرم ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ مقابل مذہبی جذبات اور متضاد سیاسی اغراض نے اس معرکہ میں کیا کردار ادا کیا ہے ملک کی زندگی اور آئندہ کی مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر اس جنگ کا کتنا گہرا اثر ہے۔ عمارتوں کی دیواروں میں گولیوں اور بموں کے نشان اور لوگوں کے دلوں میں ان کے ناسور دیکھے۔ پناہ گزینوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ جس پیچیدگی، ابہام اور تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے سمجھنے میں مدد ملی۔“

اس علاقہ سے بھی ہمارا گذر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزین رہتے ہیں۔ اس علاقہ میں افلاس، پسماندگی، گندگی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بے اعتمادی اور موجودہ حالات سے بیزارمی عام ہے۔ یہ تمام چیزیں اس ملک کے لئے نہیں پوری عرب دنیا کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے۔ اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے۔ وہ ساری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں سے آسائشوں سے محروم اندوز ہو رہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پل ہے۔ خدا کرے یہ واقعہ جس نے سارے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے عالم اسلام بالخصوص عالم عربی کی قیادتوں کے اتحاد اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس کم درجہ کی چیز سے تلافی نہیں ہو سکتی کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔